بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

آدم شاہؒ پر لگائے گئے الزامات کی حقیقت

تحقیق و ترتیب: محمّد نامدار خان بوزئی

یحیٰی بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''عادی الارض للہ و للرسول ثم لکم من بعدہ فمن احیا ارضا میتتاً فھی لہ و لیس لم حتجر حق بعد ثلاث سنین''

''کھنہ اور پرانی زمین اللہ اور اس کے رسول کے لیے ھے پھر اس کے بعد تمھارے لیے ھے۔ پس جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے تو یہ اسی کی ھے اور کسی پتھر نصب کرنے والے شخص کا تین سال کے بعد حق نھیں ھے۔'' [صفحہ: ۱۲۸، اسلامی قانون اور تصورِ ملکیت]

یہ وہ انقلابی حکم تھا جسے اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنے معزز نبی ﷺ کے توسط سے انسانوں تک پہنچایا تھا، جس کو مفاد پرست و بد دیانت لوگوں نے کئی صدیوں پہلے ''شرعی حیلہ'' سازی کے ذریعہ خارج از دین کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی مگر الحمد للہ کہ دسویں صدی ہجری کے اواخر میں اللہ تعالیٰ کی اس ''ہدایت'' و ''قانون'' کا اعادہ اور عملی مظاہرہ ''مھدویہ مکتبِ فکر'' کے علم بردار و مبلغ میاں آدم شاہؒ نے پیش کیا۔ یہ ''مظاہرہ'' کسی سیاسی مقصد کے حصول کی خاطر نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قانون کا ''احیاء'' اور ایک جائز و راسخ ''اعتقاد'' کو عملی شکل میں پیش کرنا تھا۔ مگر دنیا دار علمائے وقت اور ''زمینداری کے مروّجہ نظام'' کے حامیوں نے استبدادی حکومتِ وقت کے گماشتوں کی مدد سے ٹکراو کا راستہ اختیار کیا۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں [۸۲] بیاسی سالہ ولی صفت انسان، میاں آدم شاہ کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا!

صورتحال کا اگر دیانتداری سے تجزیہ کیا جائے تو آج بھی یہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ اصل ٹکراؤ ''راسخ العتقادی'' اور ''گمراہی'' کے درمیان تھا۔ بہرحال قانونی ضرورت کے تحت حکومتِ وقت نے متعلقین کی مدد سے میاںؒ پر الزامات لگائے اور سزاء بھی دی۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ پچھلے صفحہ پر بیان کردہ اللہ کے اس حکم کی مخالفت آج بھی پوری شدومد کے ساتھ جاری ہے! ہمارا اشارہ Land refroms کی طرف ہے جس کی طرف ہماری کسی حکومت نے سنجیدگی سے توجہ نہیں دی۔ جس کالے قانون کے تحت میاںؒ کو سزاء دیگئی تھی وہ آج بھی جاری ہے!

میاں آدم شاہؒ کے بارے میں مشتہر کردہ الزام، ''اوروں کی زمین پر ناجائز **قبضہ**'' بتایا گیا؛ جب کہ دوسرا الزام: ''حکومت کے خلاف **بغاوت**'' مشتہر کیا گیا! بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ان دونوں الزامات کو سچ تسلیم کیا گیا! ان لزامات کے سچ مانے جانے کی دو وجوہات ہیں۔ معذرت کے ساتھ یہ لکھنا پڑتا ہے کہ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے اکثر تجزیہ نگار و مورخین اسلامی فقہی معلومات سے ''نامانوس ولاعلم'' ہونے کے باوجود کسی چیز کے ''جائز'' و ''ناجائز'' ہونے کا فیصلہ خود ہی کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی چیز کا فیصلہ کسی ''گورے'' نے دیدیا ہے تو وہ فیصلہ ان کے لیے ''حرف آخر'' کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ مسٹر ہیگ نے اپنی کتاب **Indus Delta Country** میں میاں آدم شاہ پر ''غیر آئینی اقدامات'' کے ذریعہ ''مقبولیت'' حاصل کرنے اور ''زمین بانٹنے'' کا الزام لگایا ہے۔ یہ الزام ہمارے ''مزعومہ دانشور طبقے'' کے دلوں کو بہت لبھایا! چنانچہ بلاتحقیق یہ الزام پچھلی کئی صدیوں سے میاں آدم شاہؒ پر لگایا جاتا رہا ہے اور اس کو سچ تسلیم کرنے والے آج بھی موجود ہیں!

یہ بات صحیح ہے کہ میاں آدم شاہؒ نے کچھ غیر آباد و بنجر قطعہ زمین کو ''فقرائے دائرہ'' کی مدد معاش کے لئے تصرف میں لے لیا تھا۔ جس کی پاداش میں حکام نے انہیں ملتان کی جیل میں قید کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حکام نے خدارسیدہ میاں صاحب علیہ رحمۃ کے زہد و تقویٰ اور پیران سالی کا لحاظ بھی نہیں کیا اور تقریباً دو سال کی قید و بند کے بعد انہیں پھانسی دیدی۔

مذکورہ الزامات کس حد تک صحیح تھے، ہم اس کا جائزہ تاریخی شواہد، قرآنی آیات و احادیث نبوی ﷺ اور کلیاتِ فقہ کی روشنی میں لیں گے۔ قرآن و حدیث سے رجوع کرنے کی ضرورت یوں پیش آ رہی ہے کہ ''**قبضہ گری**'' کا الزام اسلامی فقہ کے اصولوں سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ پہلے ہم قبضہ گری کے الزام کا جائزہ لیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَ رْضِ (اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے۔)[آل عمران:۱۰۹]

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَ رْضِ (زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی [اللہ] کا ہے)[سورہ الحج:۶۴]

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ حقِ ملکیت کی اسلامی تعریف سے واقفیت حاصل کی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ **حقِ ملکیت** کے بارے میں ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی اپنی تصنیف ''اسلامی قانون اور تصورِ ملکیت'' کے صفحہ ۱۲۶ پر صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

احیاء کے ذریعہ زمین کی ملکیت یا اس کو تصرف میں لانے کا اختیار حاصل ہو جانے کی دلیل درج ذیل حدیث نبوی ﷺ سے حاصل ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''من احیاء ارضا میتا فھی لہ''

(جس نے زمین آباد کی وہ اس کی ہوگئی۔)

سنن ابی داؤد کے حوالہ سے دوبارہ لکھتے ہیں کہ عروۃ بن زبیر سے مروی یہ حدیث بھی ہے:

عن عروۃ قال اشھدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قضی ان الارض ارض اللہ و العباداللہ و من احیاء مواۃا فھو احق بۃ جاء نا

بھٰذا عن النب صلی اللہ علیہ وسلم الذین جا و بالصلوات عنہ
(حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں
کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ **زمین اللہ کی ہے** اور انسان اللہ کے
بندے ہیں اس لئے جس نے زمین آباد کی وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔)

بیان جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ان احادیث کی روشنی میں ابن قدامہ ''المغنی'' میں فرماتے ہیں کہ:

''عام فقھاء امصار کی رائے یہ ھے کہ زمین آباد کرنے والے کی ملکیت ھوجاتی ھے'' [ابن قدامہ: المغنی ۵۱۳/۵]

ایک اور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ **رسول اکرم ﷺ نے فرمایا**:

''کھنہ اور پرانی زمین اللہ اور اس کے رسول کے لیے ھے پھر اس کے بعد تمھارے لیے ھے۔ پس جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے تو یہ اسی کی ھے اور کسی پتھر نصب کرنے والے شخص کا تین سال کے بعد حق نھیں ھے۔'' [صفحہ: ۱۲۸]

من احیاارضا میتا فھی لہ (**جس نے زمین آباد کی وہ اس کی ھوگئی۔**) والی حدیث کی مزید وضاحت میں ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی صاحب نے نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے ایک بہت اہم حدیث پیش کی ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

لیس للمرء الا ماطابت بہ نفس امامہ
(انسان کے لئے وہی ہے جو اس کا امام پسند کرے۔)

مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں اظہار خیال فرماتے ہوئے ڈاکٹر صدیقی لکھتے ہیں:

''کیونکہ اس طرح کی موات زمینیں درحقیقت امت کی ملکیت ہیں اور حکومت، امت کی نمائندہ ہے

اس لئے مفاد عامہ کا تقاضا یہی ہے کہ احیاء[آبادکاری] کے لئے حکومت کی اجازت شرط ہے۔''
[صفحہ:۱۲۸]۔واضح رہیکہ یہ خیال ڈاکٹر صدیقی کا ہے جو دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین موافق ہے۔
نہروں کی دیکھ بھال کے حوالہ سے صفحہ:۸۲ پر اصول کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''**حکومت ھی کی یہ ذمہ داری ھوگی کہ وہ نھروں کی صفائی کا بندو بست کرے اور پانی کی گز رگاھوں کی صفائی کا انتظام کرے اور جملہ مصارف سرکاری خزانے سے ادا کئے جائیںکہ ان امور کا تعلق عام پبلک کے مصالح سے ھے۔ اور وھی حکومت ٹیکس وصول کرنے کی مجاز ھے جو عا م پبلک کی مصالح کی تکمیل کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ھے** : الخراج بالضمان **(وصولیابی ضمان کے ساتہ ھے)** [سنن ابی داؤد، البیوع]

یہ ایک اہم نکتہ ہے جو کہ ہر منصف کو دعوتِ فکر دیتا ہے اور سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کیا میاں آدم شاہؒ اور میاں عنایت اللہ لانگاہؒ کی آباد کردہ زمینوں کو پانی مہیا کرنے کے لیے نہریں موجود تھیں اور کیا ان نہروں کی صفائی و دیکھ بھال حکومتِ وقت کیا کرتی تھی؟ اگر نہیں! تو حکومت کو ان دونوں حضرات سے ٹیکس یا محصول لینے کا حق حاصل نہیں تھا! پس حکومت وقت کا میاں آدم شاہؒ یا میاں عنایت اللہ لانگاہؒ سے زمینوں کے محصول یا لگان کا تقاضہ کرنا ناجائز تھا۔

جہاں تک فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر کے اصولوں کا تعلق ہے ڈاکٹر صدیقی ان اصولوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شافعی مسلک کے فقہاء کے نزدیک حکومت کی اجازت حاصل کرنا **پسندیدہ** ہے۔حنفی مسلک کے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ **حکومت کی اجازت کی ضرورت نھیں ھے** اور مالکی مسلک کے فقہاء کے نزدیک

اگر آباد کی جانے والی زمین، آبادی کے قریب ہو تو حکومت کی اجازت درکار ہو گی لیکن اگر افتادہ زمین آبادی سے دور ہو تو اس کی آبادکاری کے لئے **اجازت کی ضرورت نهیں هے** ۔(حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ۴/۲۱۴، ۲۱۵، الزیلعی بسن الحقائق ۶/۳۱)''

اسی سلسلہ میں اپنے پیش کردہ خیالات کی تائید میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''احیائے ارض میں یہ اصول جاری فرمایا ہے کہ کہنہ اور پرانی زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہیں اور اگر کسی شخص کو حکومت کی جانب سے کوئی قطعہ دیدیا جائے اور وہ اس کو آباد نہ کرے تو یہ قطعہ زمین دوبارہ ریاست کی ملکیت میں آجائے گا یعنی حکومت سے زمین کی آبادکاری کا حق حاصل کر لینے کے بعد ایک عرصہ تک اسے آباد نہ کرنا، اس زمین پر حق کے ختم ہو جانے کا سبب بن جائیگا اور اس کی تحدید تین سال کی مدت سے کی گئی ہے۔ **چنانچه رسول الله ﷺ نے فرمایا** :

''عـادی الارض لله و للرسول ثم لکم من بعده فمن احیا ارضا میتتاً فهی له و لیس لم حتجر حق بعد ثلاث سنین''[صفحہ:۱۲۸]

''کهـنـه اور پرانی زمین الله اور اس کے رسول کے لیے هے پهر اس کے بعد تمهارے لیے هے۔پس جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے تو یه اسی کی هے اور کسی پتهر نصب کرنے والے شخص کا تین سال کے بعد حق نهیں هے۔''

زرعی زمین اور اس کی ملکیت و انتفاع کے ضمن میں پروفیسر عزالدین پال صاحب نے روزنامہ ڈان[انگریزی] میں **Islam and the question of land reform** کی سرخی کے تحت ایک عمدہ مضمون لکھا تھا جس میں انہوں نے ایک اور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا:

"One tradition ascribed to Rafi bin Khadij, is reported to

have said that giving one's land for rent or for sharecropping had been forbidden by the Prophet.In other words , if a person has agriculture land in his posession, he should either cultivate it himself or give it to some one else to cultivate it free of charge." [Sep.14,2006]

پس ان تمام شہادتوں کی موجودگی میں میاں آدم شاہؒ اور ان کے مریدوں پر ''قبضہ گروپ'' ہونے کا الزام سراسر ناجائز اور بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے!

حق تو یہی ہے کہ اگر ہم نبی کریمﷺ کو ''شارع قرآن'' مانتے ہیں تو اللہ سبحان و تعالیٰ اور آپﷺ کے فرمان کے مطابق میاں آدم شاہؒ کی فکر:

''زمین اللہ کی ہے اور جو بوئے وہی کھائے ۔''

بالکل صحیح اور جائز فکر تسلیم ہوگی! تقریباً! ایک صدی یا اس سے کچھ اوپر بعد میاں عنایت اللہ لانگاہؒ نے بھی اسی فکر کا اعادہ کیا تھا۔ اگر آج اس اصول پر ہم کاربند ہو جائیں تو ملک میں بے روزگاری، افلاس و بھوک ختم ہو جائے اور ہر طرف خوشحالی آجائے!

بغاوت کے الزام کی حقیقت:

میاں آدم شاہؒ پر لگائے جانے والے الزامات محض ایک بہانہ تھے مثلاً محصول کی عدم ادائیگی کا سہارا لیکر میاں صاحبؒ کو **مجرم و باغی** قرار دیا گیا تھا۔ ہر دور کا منصف مزاج فرد تسلیم کریگا کہ مذکورہ الزامات کی نوعیت اتنی سنگین نہ تھی کہ ایک [۸۲] بیاسی سالہ ضعیف انسان کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔ مگر یہ کام اس زمانے میں بہت آسان تھا کیونکہ اس وقت نہ تو انسانی حقوق کے تحفظ کے ادارے **(Human Rights protection groups)** موجود تھے اور نہ ہی بین الاقوامی عدالت! لہٰذہ مذہبی مخالفین کو صفحہ ہستی سے مٹانا بہت آسان تھا!

ہمارے تجزیئے کے مطابق **تصادم کی اصل وجہ میاں آدم شاہؒ کا میراں سائیں سید محمّد کو مہدی آخرالزماں تسلیم کرنا تھا**۔ ڈاکٹر غلام محمّد لاکھو کی تحقیق بھی اسی بات کی گواہی دیتی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہیکہ میاں آدم شاہ کا مغلوں کے نواب اور مقامی زمین داروں کے درمیان ہونیوالا ٹکراؤ بڑا تشریح طلب مضمون ہے جو کہ آج تک کسی کے ہاتھ نہیں لگا۔ **دراصل اس تصادم کا بنیادی سبب مہدی جونپوری سے ان کی نسبت تھی**۔''
>
> [''کلہوڑہ دورِ حکومت'' صفحہ:۱۸۵،۸۶]

یہ ایک بہت ہی اہم مشاہدہ و تبصرہ ہے! ڈاکٹر لاکھو صاحب کی یہ بات صحیح ہے کہ یہ ایک تشریح طلب مضمون ہے! چنانچہ اس طلب و تشنگی کو دور کرنے کے لیے تاریخی پس منظر کا مطالعہ و مزید تحقیق ضروری ہے!

اسی ضمن میں موجودہ دور کے ایک اور معروف مورخ ڈاکٹر مبارک علی اپنی ایک کتاب **''تاریخ اور مذہبی تحریکیں''** کے صفحہ:۹۴ پر لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان کی تاریخ میں ''مہدوی'' وہ فرقہ ہے جس کے عقائد سے علماء کے دباؤ میں آکر ابتداء میں سوری بادشاہوں نے ان کے خلاف سخت اقدامات کیئے۔ مغلوں کے زمانے میں بھی اکبر کے شروع کے عہد تک مہدیوں کے خلاف ریاست کا دباؤ رہا۔ اسی وجہ سے یہ فرقہ ریاست کے مرکز سے دور ہوتا گیا اور انہوں نے گجرات و دکن میں جاکر پناہ لی تاکہ وہاں وہ ریاستی جبر اور علماء کی مخالفت سے دور رہیں۔

بظاہر یہ مختصر سا تاریخی اشارہ، مہدویہ اکابرین شیخ علائی اور عبداللہ خان نیازی پر ڈھائے گئے مظالم سے متعلق ہے مگر حقیقتاً اس میں میاں آدم شاہؒ کے پیر بھائیوں پر ڈھائے گئے مظالم کی کم

ازکم تین سوسال کی داستان پوشیدہ ہے کیونکہ یہ مظالم سوری بادشاہوں کے زوال کے بعد بھی شیخ الاسلام عبداللہ سلطان پوری اورصدر الصدور عبدالنبی اوران کے ہم خیال علماء نے جاری رکھے تھے۔ یہ مختصر سا جملہ انتہائی احتیاط وضبط اور بامقصد تلبیس کے ساتھ مدون کیا ہے! اس احتیاط و ضبط تحریر کے باوجود قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ ''**ریاستی جبر اور علماء کی مخالفت**'' کا اعتراف وثبوت واضح طور پر سامنے آجاتا ہے!

بغض وعناد اور عقائیدی مخالفت نے سندھ اور ہند کی مہدویہ تاریخ کو تقریباً مٹا ہی دیا۔ چنانچہ سولویں اور سترویں صدی عیسوی کے ہند کے بارے میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی تالیف ''برصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ'' صفحہ:۱۷۳ پر میاں آدم شاہؒ کے ہم عقیدہ افراد پر کیے جانے والے مظالم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''مذہبی عقیدے کبھی اس طرح نہیں دبائے جاسکتے۔ مخدوم الملک (عبداللہ سلطان پوری) کو مہدویوں کے زچ کرنے کے لئے ایک مہم چلانی پڑی جس نے آخر کار انہیں تباہ کردیا اور راسخ الاعتقادی کو تقریباً ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اس وقت مہدویوں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں میں اس کے سواء کوئی اور اختلاف نہ تھا کہ اولذکر سید محمد کو مہدی مانتے تھے اور تمام اسلامی فرائض کی ادائیگی کے سختی سے پابند تھے۔ حقیقت میں یہ ایک عجیب صورتحال پیدا ہوگئی (تھی) کہ انحراف کا شبہہ ان لوگوں پر کیا جانے لگا جو تعلیمات اسلامی کے مطابق عمل کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔''
>
> (برصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ؛ صفحہ:۱۷۳)

لہٰذہ یہ بات سامنے آئی کہ مخالفت کا اصل تعلق مذہبی ومسلکی اختلافات سے تھا۔ اگر یہاں کسی قدر ذکر ''مھدویہ دائروں'' کے بارے میں کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

دائروں کا نظم ونسق:

مغلوں کے استبدادی دور میں ''مہد ویہ دائروں'' میں رائج سماجی ومعاشرتی نظام، مروجہ نظام سے بہت مختلف صورتحال پیش کرتا تھا۔ یہ لوگ آبادی سے باہر اپنی الگ بستی بساتے تھے جسے ''**دائرہ**'' کا نام دیا جاتا تھا۔ ان دائروں میں آٹھوں پہر (چوبیس گھنٹے) اللہ کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ لوگوں کو دنیا کی محبت سے دور رکھا جاتا تھا۔ دینی تربیت کے علاوہ ''دائروں'' میں ایک ایسا معاشی وسماجی نظام بھی رائج تھا جس میں عزتِ نفس اور انسانی جان ومال کا احترام، خدا پرستی وانسان دوستی، عدل وانصاف، زندگی کے اہم اصول مانے جاتے تھے۔ چند لوگ کسبِ معاش کے لیے نکلتے اور جو کچھ میسر آجاتا تھا اسے سب مل جل کر آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے۔ اشتراکیت کا یہ عنصر انفاق فی سبیل اللہ کا عملی مظاہرہ تھا اور جو لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے ان کے لیے ہر کام کا معاوضہ شخصی صلاحیت وذمہ داری کے لحاظ اور کارکردگی [پروڈکشن] کی مقدار کے اعتبار سے مقرر کیا جاتا تھا۔ خالی وبیکار پڑی زمین کو ''شرعی شرائط وتحفظات'' کے ساتھ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں مانا جاتا تھا بلکہ قرآنی حکم ''**الارض للّٰہ**'' پر یقینِ کامل رکھتے ہوئے زمین کو اجتماعی ''انتفاع'' کے لیے زیرِ کاشت لایا جاتا تھا۔ اس نظام میں نہ تو ''**زمیندار اور ھاری**'' کا تصوّر پایا جاتا تھا اور نہ ہی **وڈیرہ شاھی** کا! ایسا ہی ایک دائرہ میاں آدم شاہؒ نے بھی ''ہٹڑی'' میں قائم کیا تھا۔

مذکورہ نظام نے **[expolitation of man by man]** ''انسان کا انسانوں کے ہاتھوں استحصال'' ختم کرنے کے ساتھ ساتھ مزدور کی عزتِ نفس کو تحفظ ووقار عطا کیا تھا جسے آج کل **dignity of labour** کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس نظام کے اقتصادی اصولوں نے دائروں میں غربت یا امیری کا احساس ختم کر دیا تھا۔ ''مساواتِ محمدی'' کی سنت کے اعادے کا یہ عملی مظاہرہ خدا ترس اور **less fortunate** لوگوں میں بہت مقبول ہوا۔ بے سہارا، غریب ونادار افراد اس نظام سے بہت خوش تھے بالخصوص اس وقت کا زراعت

سے منسلک محنت کش طبقہ! وجہ اس کی یہ تھی کہ فصل سے حاصل ہونے والا ''**انتفاع**'' عدل کی بنیاد پر تقسیم کیا جاتا تھا۔غریب کاشت کاروں کو اس نظام کے تحت عزت و وقار کے ساتھ اپنی محنت کا اطمینان بخش اور پورا پورا معاوضہ فوری فوری مل جایا کرتا تھا۔اسطرح کی صورتحال واضح طور پر ان کی تنگدستی، معاشی پریشانی وافلاس کے خاتمے کا باعث بن کر سامنے آرہی تھی۔لوگ دیکھ رہے تھے کہ معاشرے میں ایک نمایاں اور قابلِ محسوس انقلاب برپا ہو رہا ہے۔ چنانچہ مروّجہ ناانصافیوں اور **class system** (طبقاتی نظام) کے خلاف یہ نظام ایک بہت ہی سنجیدہ چیلنج تھا۔ بادشاہی اور نوابی مزاج و مروجہ نظم، اس انقلابی تبدیلی کو برداشت نہ کر سکا اور نہ ہی مقتدر علماء وقت اس نظام کو چیلنج کر سکے۔اس صورتِ حال نے سندھ میں میاں آدم شاہؒ کی مقبولیت میں مزید اضافہ کر دیا تھاج۔ یہ صورتحال ان کے مریدوں کی تعداد میں اضافہ کا ایک اہم سبب بن گئی۔

کلہوڑوں کا زرعی نظام:

اسلامی فقہ کے اصولوں کے مطابق بنجر زمین سے ''**انتفاع**'' چند شرائط کے ساتھ اسلام کے قرون اولیٰ ہی سے جائز تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔اس طرح ان کا یہ عمل **توکل الااللہ** کی عمدہ ترین صورتوں کا ایک احسن مظہر ہوا کرتا تھا کیونکہ بویا ہوا بیج ان کا اپنا **Investment** تھا، زمین کی تیاری میں محنت، افرادی قوت اور دیگر تمام ضروری عناصر مثلاً **Implements** اور ہل چلانے کے لئے جانور وغیرہ ان کے اپنے ہوتے تھے۔ پانی یا تو اللہ کی مہربانی سے بارش کے ذریعے مل جاتا تھا یا پھر یہ لوگ آبپاشی کی ضروریات پورا کرنے کے لیے کنویں کھودا کرتے تھے یا نہریں بنا لیتے تھے۔ان کا رائج کردہ نہری نظام بھی ان کے معاشی نظام کا ایک اہم حصہ تھا جو اس قطعہ کی خوشحالی کا جیتا جاگتا ثبوت پیش کرتا رہا ہے۔بعد میں انگریز حکومت نے بھی اسی نظام کو اپنایا۔یہی نظام جدید ٹکنالوجی سے آراستہ ہو کر کلہوڑہ حکمرانوں کے ''**فیضِ جاریہ**'' کی شکل میں آج بھی موجود ہے!

میاں آدم شاہؒ کے متعلق تاریخی حوالہ جات:

''کلہوڑہ دورِحکومت'' پروفیسر غلام محمّد لاکھو صاحب کی پی ،ایچ ڈی [Ph.d] کی تھیسس (Thesis) ہے اور سنہ ۲۰۰۴ م میں سندہی زبان میں کراچی سے شائع ہوئی تھی ؛اس کتاب کے صفحہ ۸۶ پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں [جس کا ترجمہ کچھ ان الفاظ میں ہے]:

> ''[گو کہ] میاں آدم شاہ کا خاندان قدیم عرصے ہی سے روحانیت اور پیرِ طریقت ہونیکے سبب سندھ میں بڑی عزت وشہرت کے درجہ پر فائز تھا لیکن ''مھدی'' والی نسبت نے اس خاندان کے مراتب میں اضافہ کر کے اسے آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا!''

بھیرومل مھر چند آڈوانی کی [سندھی زبان میں لکھی گئی کتاب] ''سندھ جی ہندن جی تاریخ'' جلد اول کے صفحات ۴۹ ، ۱۱۵ ، ۱۴۶ ، ۲۱۸ کے حوالہ سے ڈاکٹر غلام محمّد لاکھو صاحب لکھتے ہیں:

> ''میاں صاحب ایک مذہبی رہنما ہونے کے علاوہ ایک وسیع المشرب اور کشادہ ذہنیت رکھنے والے لیڈر تھے۔ان کے مریدوں اور خدام میں ہندو بھی بڑی تعداد میں دیکھائی دیتے ہیں۔''

دورِ حاضر کے نوجوان محسوس کرتے ہیں کہ یہ مختصر سی مبینہ حقیقت مزید تشریح وتاویل کی متقاضی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہم ''مھدی والی نسبت'' کی وضاحت کریں گے۔

تاریخی مندرجات کے مطابق ''مھدی والی نسبت'' کی تاویل یہ ہے کہ میاں آدم شاہؒ ایک انتہائی پارسا، متقی وزاہد اور انسانوں سے محبت کرنے والے بزرگ تھے جنہوں نے جونپور کے سیّد محمّد کے حالات وتعلیمات سے متاثر ہو کر انہیں ''مھدی آخرالزماں'' تسلیم کیا تھا۔ایک اندازہ کے مطابق سنہ ۹۴۷ ھ میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی ابتداء علاقہ سندھ کے موضع ''ہٹڑی'' سے کی تھی جہاں انہوں نے ''دائرہ'' قائم کیا تھا۔

”نظامِ دائرہ“ کی بنیادیں:

محققین کے چیدہ چیدہ مقالہ جات اور منتشر تحریرات سے واضح ہوتا ہے کہ دائروں میں رائج **نظام** کی بنیادیں :

۱۔ **اکلِ حلال**

۲۔ **توکل الااللہ**

۳۔ **قناعت پسندی**

۴۔ **جذبہ ایثار واحسان**

۵۔ **ترکِ حُبِّ دنیا**

۶۔ **”رزقِ غیب“اور زکوٰۃ وعشر کی عادلانہ تقسیم**

۷۔ **امدادِ باھمی کی ترویج**

جیسی قرآنی ہدایات واقدار پر اسطوار کی گئی تھیں۔**جب کہ بھیک مانگنا ”سوال کرنا“ یا”صورتِ سوال“ پیدا کرنا حرام مانا جاتا تھا۔توّکل کا یہ عالم تھا کہ پینے کے پانی کے مٹکے بھی سونے سے پہلے الٹ دیئے جایاکرتے تھے۔”یومِ جدید۔ رزق جدید“ اور ”تقویٰ“ ان کا اصولِ زندگی تھا۔**

ہر شخص اپنی آمدنی کا دس فیصد دائرہ کے بیت المال میں جمع کرواتا تھا جسے ”**عشر**“ کہا جاتا تھا۔ یہ رقم ڈھائی فیصد زکوٰۃ کے علاوہ جمع کروائی جاتی تھی جو کہ صاحبِ دائرہ، ساکنین دائرے کے علاوہ دیگر مستحقین وسائلین کے درمیان حسبِ ضرورت تقسیم کرتا رہتا تھا۔

کلہوڑہ مرشدین کا کردار و صلاحیت:

ایک اور تاریخی حقیقت جس کو مسلکی تعصب کی بناء پر کبھی زیادہ تفصیل اور موثر طریقے

پر کما حقہ بیان نہیں کیا گیا، وہ؛ اولین کلہوڑہ بزرگوں کا تقویٰ، شریعت کی پابندی و پاسداری، روحانی تقدیس و وجاہت اور اپنی پُر تاثیر دعاوں سے فیض رسانی کی صلاحیت تھی۔ میاں آدم شاہؒ اسی جماعت کے سرخیل تھے۔ معاشرے میں ان لوگوں کا یہ مقام اور کمالات آج بھی لوگوں کے دلوں پر محکم ہیں۔ لوگ آج بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ میاں صاحبان علیہ الرحمۃ کے علاوہ دائرے کے بعض ''فقراء'' کی دعاوٗں میں بھی بڑا اثر تھا اور لوگ دور دور سے دعاء کروانے دائروں میں آتے اور بامراد لوٹا کرتے تھے۔ کہیں کہیں یہ فیض آج بھی جاری ہے!

مذکورہ عوامل کے علاوہ، زمانے نے یہ بھی دیکھا کہ کلہوڑہ مرشدین کی انصاف پسندی، انتظامی صلاحیت، دانشمندی اور حکمت عملی انکے مریدوں کی دینی و دنیاوی ضروریات پوری کر رہی تھیں۔ ان اوامر کے علاوہ دیگر کئی سودمند عوامل بھی تھے جو یہاں اختصار کی خاطر بیان نہیں کیے جا رہے ہیں۔ یہ وہ چند وجوہات ہیں جن کے سبب کلہوڑوں کے مرید، ہمہ وقت مرشدین پر اپنی جانیں نثار کرنے کے لئے تیار رہا کرتے تھے۔ مریدوں کے علاوہ دیگر عوام بھی بلا لحاظِ مذہب و ملت کلہوڑہ مرشدین کو دل و جان سے اپنا حقیقی حاکم، ہمدرد و خیر خواہ تسلیم کرنے لگے تھے۔

مذکورہ بالا بیانات کی مزید تائید میں ہم پچھلی دھائی کے ایک مشہور و معروف دانشور اور بیشمار کتابوں کے مصنف مرحوم کریم بخش خالد (ڈائرکٹر جنرل [رٹائیرڈ]، انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ، حکومتِ سندھ) کی کتاب ''آثار و افکار'' کے ایک مضمون ''سید نجی اللہ مرحوم'' کے ایک حصہ کو پیش کرنا بھی ضروری و مناسب سمجھتے ہیں۔ مرحوم کریم بخش خالد صاحب لکھتے ہیں:

> ''یہ تاریخِ سندھ کا ایک اہم اور دلخراش واقعہ ہے۔ سمّہ سلاطین کے ایک نامور فرمانروا جام نظام الدین نندہ عرف جام نندو کے عہد (۱۴۶۱ء سے ۱۵۰۸ء) میں اپنے آبائی وطن میں ظاہر پرست مذہبی رہنماوٗں کی سخت مخالفت کی وجہ سے سید میراں محمّد جونپوری (۱۴۴۳ء۔۱۵۰۴ء) کو نقلِ

مکانی کر کے سندھ آنا پڑا انہوں نے ٹھٹھہ میں ڈیڑھ سال قیام کیا۔ ان کی دعوت سیاسی نوعیت کی نہیں تھی۔ شروعات میں ان کی بہت پذیرائی ہوئی کیونکہ ان کے پیغام کا نمایاں پہلو 'توکل الیٰ اللہ' اور 'مساواتِ محمّدی' کا نفاذ تھا۔ وہ کسی شخص کو دوسرے کا محتاج بننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ میں نے [مرحوم] نجی اللہ صاحب [مہدوی] کو بتایا کہ مذہبی نقطہ نگاہ سے سید محمّد جونپوری کی جلد ہی سندھ میں بھی مخالفت ہونے لگی لیکن ان کا اقصادی اور سماجی پیغام بہت مقبول ہوا اور اس پیغام کی بازگشت اب بھی سندھ کی فضاؤں میں گونج رہی ہے۔ سندھ کے بہت سے علماء اور درویشوں نے اس پیغام کو اپنے علم اور عمل کے ذریعے فروغ دیا، خدا پرستی اور انسان دوستی کے احساسات کو بیدار کیا اور تاریخِ سندھ کے ایک زرین دور (۱۷۰۰ ء سے ۱۷۱۲ء) میں اسی نظامِ حیات کو عملی طور پر زراعت کے حد تک نافذ کیا گیا جس کے بہت مفید نتائج نکلے۔'' (آثار وافکار، ۱۹۸۹ء، صفحہ: ۳۷)

اس پس منظر سے متاثر تمام مورخین و تجزیہ نگاروں نے بھی گواہی دی کہ ''مھدویہ دائرے'' اپنا ایک مکمل معاشی نظام رکھتے تھے اور بڑی حد تک خود کفیل ہوا کرتے تھے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ خود کفیلی اور عام شہری کو انصاف کی فی الفور دستیابی قوموں کی بقاء و ترقی کے لئے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہیں اور بہت تیزی سے قوموں کو خوشحالی، خود اعتمادی و ترقی سے ہمکنار کر دیتی ہیں۔ تاریخ نے ثابت کر دیا کہ اللہ سبحان و تعالیٰ کے مقرر کردہ مکافاتِ عمل کے تحت ان لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں کامیابی ان عبّاسی سپوتوں کے قدم چومی!

متذکرہ دائروں میں ''معرفت و قربِ الٰہی'' کے حصول کے لیے میراں سائیں مھدیؑ کے بتائے ہوئے ''فرائضِ ولایت'' کی پابندی کرنی پڑتی تھی جس کے تحت اپنے پرانے سلسلوں اور

ان کے مقرر کردہ معروف ''مجاہدوں'' کو خیر باد کہنا پڑتا تھا۔ اسی باعث نہ تو وہ اپنے آپ کو ''سہروردی'' کہلواتے تھے اور نہ ہی ''علوی'' ''رضوی'' یا ''جعفری''۔ چنانچہ کلہوڑوں نے بھی اپنے ''سہروردی'' تعرف کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہ تھی۔ البتہ جو لوگ ترک حبِ دنیا، تقویٰ و توکل میں سبقت لے جاتے تھے یا وہ لوگ جو اپنے آپ کو ہمہ وقت تبلیغی کاموں میں مصروف رکھتے یا محصور ہو کر رہ جایا کرتے تھے وہ قرآنی تعبیر کے تحت ''فقیر'' کہلاتے تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ ''اللہ کی محتاجی'' کا یہ منصب ان خصوصیات کے حاملین کو ربِّ جلیل نے خود عطا فرمایا ہے؛ ملاحظہ ہو۔ ارشادِ عالی:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (اے لوگو! تم [صرف] اللہ کے **فقراء** [محتاج] ہو اور اللہ سب سے بڑھ کر غنی [بے نیاز] اور خوبیوں والا ہے) [فاطر:۱۵]

جب اس آیت کا صحیح مفہوم ''عبداللہ'' سمجھ لیتا تھا تو وہ للّٰہی نصیحت ''عدل و احسان'' کو اپنی فطرتِ ثانیہ بنا لیتا اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا اور سب سے بڑی تبدیلی اس فرد میں یہ آتی تھی کہ اللہ کے آگے عاجزی اور بندوں کے آگے منکسر مزاجی جیسے اعلیٰ و احسن اخلاق نمودار ہوتے تھے۔ چنانچہ کلہوڑہ مرشدین اپنے آپ کو ''**خادم الفقراء**'' کہلوانا پسند کرتے تھے۔

دائرے کے فقراء کی قناعت و استغناء کے سلسلہ میں ابوالکلام آزاد ''تذکرہ'' کے صفحہ: ۶۵ و ۶۶ پر میں لکھتے ہیں:

''استغناء و قناعت کا یہ حال تھا کہ کئی کئی دن گزر جاتے اور کچھ میسر نہیں آتا، لیکن دلوں کی بے فکری اور چہروں کی خوش حالی دیکھ کر گمان ہوتا

کہ ابھی شکم سیر ہو کر اٹھے ہیں یحسبھم الجاھل اغنیآء من التعفف. [ناواقف شخص ان کے سوال نہ کرنے سے انہیں مالدار خیال کریگا] **بھوک کا غلبہ ہوتا تو نماز شروع کردیتے اور سلام پھیر کر اٹھتے تو شہنشاہوں کی بے نیازی چہروں سے ٹپکتی۔ساتھ ہی امربالمعروف و نھی عن المنکر کے جوش کا یہ حال تھا کہ معاصی و منکرات کے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔** ہرفرد ہمیشہ مصلح رہتا اور جب کسی فعل منکر کو دیکھتا تو،**فلغیرہ بید** پرعمل کرکے حکماً روک دیتا: **فی اللیل رھبان و بالنھار فرسان!''**

حقیقت تو یہ ہے کہ ان فقراء کے آگے وڈیروں، سرداروں، زمینداروں اور بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ چنانچہ بڑے بڑے سلاطین و سربراہانِ مملکت ، سردارانِ قبیلہ جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا تھا ان فقراء کے آگے ''نذرانہ'' پیش کرنے کو اپنی سعادت وآخرۃ کا توشہ جانتے تھے اور دل ہی دل میں یہ تمنا کرتے رہتے تھے کہ ان کا ''نذرانہ'' قبول ہوجائے۔تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ایک ''نذرانہ'' ایک قطعہ زمین کی شکل میں فقراء کی مددمعاش کے لیے عبدالرّحیم خانِ خاناں نے بھی میاں آدم شاہؒ کو پیش کیا تھا جن کی دعاؤں کے سبب انہیں اپنے مشن میں کامیابی حاصل ہوئی تھی !

[مقالہ برائے ادبی کانفرنس،۱۲/نومبر۲۰۰۹م، کراچی یونیورسٹی]

﴿........تمام شد........﴾

<u>مصادر و مراجع:</u>

۱۔کلہوڑہ دورِحکومت [سندھی] ڈاکٹر غلام محمّد لاکھو، اتحادعباسیہ پاکستان، کراچی

۲۔تذکرہ مولفہ: ابوالکلام آزاد، ساہیتہ اکیڈیمی، نئی دہلی؛ بھارت

۴۔آثاروافکار مولفہ: کریم بخش خالد، کراچی

۵۔بصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ مولفہ: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ، پبلشر: شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی

۶۔اسلامی قانون اورتصورِملکیت مولفہ: ڈاکٹر ساجدالرحمٰن سدیقی، دارالاشاعت، بندرروڈ، کراچی

۷۔بیان العارفین وتنبیہ الغافلین [فارسی] مولفہ محمد رضا مترجم: ڈاکٹر عبدالغفار سومرو، حیدر آباد؛ سندھ
۱۱۔’’تاریخ اور مذہبی تحریکیں‘‘ مولفہ؛ ڈاکٹر مبارک علی؛ فکشن ہاؤس، ۱۸۔مزنگ روڈ، لاہور [۱۹۹۸ء])
۱۳۔ **Islam and the question of land reform** پروفیسر عزالدین پال۔روزنامہ DAWN انگریزی، کراچی، پاکستان